K. No. 2186/57 Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون

۱۵ مئی ۱۹۶۶ء	ایڈیٹر: آل احمد سرور	جلد ۲۵ - شمارہ ۱۹

اداریہ

اُردو کے اُستادوں کی کانفرنس

کئی سال ہوئے یونی ورسٹیوں کے اردو کے استادوں کی ایک انجمن بنی تھی۔ ایک آٹھ، نو اور دس مئی کو دہلی یونیورسٹی کے اردو کے شعبے کے انتظام میں اس کی کانفرنس ہوئی۔ کانفرنس کا افتتاح پروفیسر مجیب نے ایک بصیرت افروز خطبے سے کیا۔ صدر انجمن پروفیسر عبدالقادر سروری نے اپنے خطبے میں اردو کی تعلیم کے معیار کو بلند کرنے اور استادوں کی تربیت کے لیے ایک مرکزی ادارہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔

افتتاح اور آخری اجلاس کے علاوہ چار اور اجلاس ہوئے جن میں اردو کی تعلیم، اردو میں تحقیق کے مسائل، نصاب کے مسئلے اور موجودہ سماج میں اردو کے استاد کے منصب پر مقالے پڑھے گئے اور بحث ہوئی۔ کانفرنس نے دوبارہ پروفیسر عبدالقادر سروری کو صدر اور ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کو سکریٹری منتخب کیا۔

یونی ورسٹیوں میں جو مضمون پڑھائے جاتے ہیں اُن سب کے استادوں کی علیحدہ علیحدہ انجمنیں ہیں اور ان کی سالانہ کانفرنسیں ہوتی ہیں جن میں علاوہ درس و تدریس کے مسائل کے جدید علمی معیاروں کے مطابق تازہ معلومات سامنے لائی جاتی ہیں۔ اردو کے استادوں کی یہ پہلی کانفرنس تھی اور باوجود موسم کی سختی کے خاصی بڑی تعداد میں ہندوستان کے مختلف گوشوں سے اردو کے استاد شریک ہوئے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ سب کو اردو کی تعلیم کے معیار کو بلند کرنے، تحقیق کو جدید ترین معیاروں پر لانے، نصاب کو جامع اور مفید بنانے اور موجودہ سماج میں اردو کے استاد کے مناسب رول ادا کرنے کا احساس تھا۔ یہ بھی عام طور پر کہا گیا کہ اردو کی تعلیم کے سلسلے میں لسانیات کے علم سے اور زیادہ کام لینا چاہیے اور نصاب کے مرتب کرنے میں طلبہ کی نفسیات اور ان کی ذہنی استعداد کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے۔ کانفرنس کی سب سے اہم تجویز کے مطابق ماہرین کی ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جو تمام یونی ورسٹیوں کے لیے ایک معیاری نصاب تیار کرے گی جس کو مختلف یونی ورسٹیاں اپنی ضرورت کے مطابق بی۔ اے اور ایم۔ اے کی منزل پر استعمال کر سکیں گی۔ اس نصاب میں اتنی گنجائش ہوگی کہ مختلف ادارے اپنی پسند کے مطابق کتابیں انتخاب کر سکیں۔ چونکہ اردو کی معیاری کتابیں عام طور پر دستیاب نہیں ہوتیں اس لیے یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ مختلف یونی ورسٹیوں کے اردو کے شعبے اپنے اپنے طور پر کچھ کتابیں تیار کرائیں جن کو دوسری یونی ورسٹیاں بھی اپنے نصاب میں رکھ سکیں۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ ملک کے مختلف گوشوں میں جو مخطوطات بکھرے ہوئے ہیں ان کو حاصل کیا جائے اور ان کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں تیار کرائی جائیں تاکہ دوسرے ادارے بھی ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اگرچہ اردو کی تعلیم کے راستے میں جو رکاوٹیں ہیں ان کا سب کو احساس تھا مگر تمام استاد اس بات پر متفق تھے کہ ایک پختہ عزم اور تازہ ولولے کے ساتھ اگر استاد اپنا کام جاری رکھیں تو رفتہ رفتہ وہ تمام مشکلات پر قابو پا سکتے ہیں اور اردو زبان و ادب کے ذریعے سے مشترک تہذیب اور ہندوستانی سماج کی بڑی خدمت کر سکتے ہیں۔

اردو کے استادوں کا یہ اجتماع ایک اچھا قدم ہے۔ ان کی متفقہ کوششوں سے یونی ورسٹیوں میں اردو کی تعلیم کا معیار اور بلند ہو سکتا ہے اور استادوں

اس شمارے میں

کی نظر بھی خوب سے خوب تر کی طرف جا سکتی ہے۔ دہلی یونی ورسٹی کے اردو کے شعبہ کے صدر اور ان کے رفقا مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان کی کوشش سے یہ کانفرنس کامیاب ہو سکی۔ امید ہے کہ ہر سال ایسے ہی اجتماع مختلف علمی مرکزوں پر ہو سکیں گے تاکہ اردو کے استاد صحیح معنی میں اردو زبان و ادب کی ترقی میں معاون ہو سکیں اور اردو کے علمی معیار کو بلند کر سکیں۔

اردو میں سائنسی معلومات پر ایک نئے رسالے کا اجرا

ہندوستان میں سائنسی ریسرچ کا ایک ادارہ ہے جو ڈاکٹر حسین ظہیر کی نگرانی میں نہایت قابل قدر کام کر رہا ہے۔ اس ادارے کی طرف سے انگریزی میں "سائنس رپورٹر" اور ہندی میں "وگیان پرگتی" کے نام سے دو رسالے نکلتے ہیں جو ملک میں سائنسی معلومات عام کرنے اور سائنسی مزاج پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ اب علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اور سی۔ ایس۔ آئی۔ آر (کونسل آف سائینٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ) کے اشتراک سے اردو میں وگیان پرگتی کا اردو ایڈیشن "سائنس" کے نام سے نکلنے والا ہے۔ یہ رسالہ جلد ہی نکلے گا اور اس کے سلسلے میں ابتدائی انتظامات شروع ہو گئے ہیں۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ آر نے اس کے لیے اخراجات کی منظوری دے دی ہے۔ مجلس ادارت میں سی۔ ایس۔ آئی۔ آر اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی دونوں کے نمایندے شامل ہوں گے۔ کونسل تامل اور بنگالی میں بھی رسالے نکالنے والی ہے۔ کونسل کا یہ اقدام لائق تحسین ہے اور ہم اس کے لیے ڈاکٹر حسین ظہیر کو مبارکباد دیتے ہیں۔ یقین ہے کہ اس رسالے کے ذریعہ سے اردو دوستوں میں سائنسی مزاج پیدا کرنے اور ان کو جدید ترین سائنسی معلومات سے آشنا کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔ ادارہ کا دفتر علی گڑھ میں ہوگا مگر یہ پرچہ دہلی سے شائع ہوگا۔

ہیمنگوے نے خودکشی کی، بیوہ کا بیان

مشہور ناول نگار ہیمنگوے کی بیوہ "میری" نے ایک اخبار کو بتایا ہے کہ مسٹر ہیمنگوے نے ۲ جولائی ۱۹۶۱ء کو دانستہ خود کو ایک رائفل سے مار لیا تھا۔

انھوں نے کہا کہ ہیمنگوے نے خودکشی کی۔ یہ حقیقت ہے، بہت دنوں تک میں اس کو تسلیم نہ کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن بات یہی ہے:

انھوں نے کہا کہ اس زمانے میں ہیمنگوے بہت اداس تھے اور یقین ہے کہ ان کی موت حادثے سے ہوئی حماقت ہوگی لیکن یہ بہت بڑی حماقت یہ سمجھنا ہوگی کہ انھوں نے اس لیے خودکشی کی کہ ان کے تخلیقی سوتے خشک ہو گئے تھے۔

انھوں نے بتایا کہ اپنی موت کے وقت وہ "The Moveable Feast" نام کی ناول لکھ رہے تھے جو ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔

انھوں نے ناول آخر تک لکھی۔ اس دن میں صبح دیکھی تھی، ہیمنگوے طلوع کے وقت ہی اٹھ گئے تھے لیکن میں نے اس کو کوئی اہمیت نہ دی۔ پھر سو گئی۔ بندوق کی آواز نے مجھے جگا دیا اور جب میں جاگتی ہوئی پہنچی تو وہ ختم ہو چکے تھے۔"

(قومی آواز، لکھنؤ)

سہ ماہی "اردو" کا اجرا

کراچی۔ انجمن ترقی اردو پاکستان نے مشہور و معروف علمی جریدہ "اردو" کو دوبارہ جاری کر دیا ہے۔ دور نو کا نیا شمارہ شائع ہو گیا ہے جس میں ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر اکبر حسین قریشی، ڈاکٹر فاطمہ شجاعت اور سید سبط حسن وغیرہ کے مضامین شامل ہیں۔

غالب کی مثنوی "ابر گہر بار" بھی شائع کی گئی ہے۔ یہ پرچہ ٹائپ میں خوبصورت انداز سے شائع کیا گیا ہے۔ قیمت فی شمارہ ساڑھے تین روپے۔ سالانہ قیمت بارہ روپے۔ (کتابی دنیا، کراچی)

تاریخ ہندستان کی اشاعت

نئی دہلی (تاس) سوویت سائنس اکاڈمی کے ایشیائی عوام کے انسٹی ٹیوٹ میں شعبۂ ہند کی طرف سے ہندستان کی ایک جامع تاریخ مرتب کی جا رہی ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہوگی۔ پہلی دو جلدیں (۱۸ویں صدی تا ۱۹۶۵ء) شائع کی جا چکی ہیں۔ زمانہ وسطیٰ سے متعلق جلد ۱۹۶۶ء کے آخر میں شائع ہوگی۔ آخری جلد زمانہ قدیم سے تعلق رکھتی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ آیندہ سال کے اختتام تک اس کی تکمیل ہو جائے گی۔ ہر جلد لگ بھگ ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ "کتابیات" کی دو جلدیں حال ہی میں شائع ہوئی ہیں۔

ہندستانی ترقی پسند مصنفین کی انجمن کی ۳۰ ویں سالگرہ

نئی دہلی۔ ۲۳ اپریل۔ ہندستانی ترقی پسند مصنفین کی انجمن کی ۳۰ ویں سالگرہ آج یہاں منائی گئی جس میں ملک کے پچاس سے زائد ممتاز شاعروں اور ناول نگاروں نے شرکت کی۔

اس جلسہ میں اردو، ہندی، انگریزی، بنگالی، تامل، ملیالم اور سندھی کے ترقی پسند مصنفین موجود تھے۔

منجملہ دیگر شخصیتوں کے ممبر پارلیمنٹ پروفیسر ہیرن مکرجی، ہندی شاعر جناب سومترانندن پنت، ہندی ناول نگار جناب یشپال اور خواجہ احمد عباس نے تقریریں کیں۔ انجمن کے صدر جناب سجاد ظہیر نے جلسے کی صدارت کی۔ انجمن کی سالگرہ کے موقع پر صدر جمہوریہ ہند، نائب صدر جمہوریہ ہند اور وزیر اعظم کی طرف سے پیغامات موصول ہوئے۔

(قومی آواز، لکھنؤ)

"ہماری زبان" سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

مالک رام

اردو کا ماضی حال اور مستقبل

(خطبہ جلسہ تقسیم اسناد جامعہ اردو منعقدہ ۸/ اپریل ۱۹۶۶ء)

اردو سے متعلق مختلف زاویوں سے اتنی مرتبہ اور اتنی تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے کہ اب اس سلسلے میں کوئی نئی بات کہنا محال ہے، لیکن چونکہ آپ نے مجھے اس اجتماع میں حاضری کی عزت بخشی ہے، اور مجھے خطاب کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے لازماً مجھے کچھ نہ کچھ عرض کرنا ہی پڑے گا، حالانکہ یہ عین ممکن ہے کہ میں جو کچھ کہنے والا ہوں، اسے آپ کسی نہ کسی صورت میں اس سے پہلے بھی سن چکے ہوں۔

یہ بات سب تسلیم کرتے ہیں کہ اردو اس ملک کی زبان ہے۔ اس میں کسی طرح کا شبہہ نہیں کہ یہ کہیں باہر سے نہیں آئی، بلکہ اسی ملک میں مختلف قوموں کے میل جول سے پیدا ہوئی، بلکہ اگر ہم زیادہ سنجیدگی سے غور کریں، تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کی ایجاد کا سہرا ہندوؤں کے سر ہے۔

اس سلسلے میں پہلی حقیقت یہ ہے کہ کوئی زبان کسی مقررہ تاریخ پر پیدا نہیں ہوا کرتی۔ یہ کوئی پارلیمنٹ کا قانون نہیں کہ آپ اعلان کر دیں کہ اسے فلاں تاریخ کو نافذ کر دیا جائے۔ زبانیں صدیوں میں بنتی اور بگڑتی ہیں۔ مختلف قسم کے حالات، لوگوں کے میل ملاپ، اثرات اور تاثرات سے زبان کا ہیولیٰ تیار ہوتا ہے اور پھر یہ ارتقا کی گوناگوں منزلیں طے کرنے کے بعد ایک متعین شکل اختیار کر لیتی ہے، اگرچہ یہ بھی آخری نہیں ہوتی، کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کے بعد بھی اس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے طویل ارتقائی سفر میں ممکن ہے، بعض ایسے سنگ میل آجائیں کہ اس مرحلے کو آپ کسی خاص شخص یا واقعے سے منسوب کر دیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ زبان اس شخص یا واقعے سے وجود میں آئی، بلکہ صرف یہ کہ اس کی ترقی میں اس واقعے یا شخص سے کچھ مدد ملی ہے اور اس کی تاریخ میں یہ مقام خاص طور پر اہم اور یادگار رہا ہے۔ بالکل یہی صورت اردو کے ساتھ پیش آئی۔ شمالی ہندوستان کی مقامی بولیوں میں اس کا خمیر مدتوں سے تیار ہو رہا تھا، اور یہ کھڑی بولی کی منزل کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس وقت اس کا سابقہ خواہ کسی بھی بیرونی زبان سے پڑتا، لازماً یہ اس سے متاثر ہوتی اور پھر خدا معلوم اس کا رخ کس طرف ہو جاتا۔ یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت مسلمان اس ملک میں آن پہنچے۔

مسلمان یہاں فاتح اور حکمران کی حیثیت سے آئے۔ ممکن ہے آپ اس پر مجھے ان صوفیا اور اولیاء اللہ کی یاد دلائیں، جو ان فاتحین سے بھی پہلے یہاں تشریف لائے تھے۔ یہ چند مثالیں مجھ سے مخفی نہیں، لیکن اول تو ان اہل اللہ کی تعداد بہت مختصر تھی اور پھر ان کا لسانی اثر اس سے بھی کمتر رہا، اور جتنا کچھ تھا، اس سے متعلق بھی ہماری معلومات بہت ہی محدود ہیں۔ اس لیے لازماً ہمیں اپنی جستجو ان دنیاداروں اور فوجی نوواردوں سے شروع کرنا پڑے گی، جو دسویں صدی عیسوی کے اواخر اور گیارھویں صدی کے آغاز میں یہاں آئے۔ ظاہر ہے کہ شروع میں یہ فوجی شہروں سے باہر چھاؤنیوں میں رہتے ہوں گے، جیسا کہ ایسے حالات میں ہوا کرتا ہے۔ یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ قرب و جوار کے مقامی لوگ مختلف اغراض سے ان چھاؤنیوں میں جاتے۔ کبھی مسلمان فوجی افسر سے ملنے اور اس سے اپنی ارادت اور عقیدت کا اظہار کرنے کو، کبھی کوئی حاجت روا کروانے کو، کبھی تجارت کے لیے یعنی اپنے ہاں کا سودا سلف بیچنے کو۔ اس وقت اس ہندو نے اپنی گفتگو میں اور بھاؤ تاؤ کرنے میں جو زبان استعمال کی ہوگی اس میں قدرتاً فارسی کے چند الفاظ کے ساتھ اس نے اپنی کھڑی بولی یا ہندی کے بہت سارے لفظ استعمال کیے ہوں گے۔ انگریزی چھاؤنیوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ لال کرتی کے دکاندار اور اہل حرفہ ہندستانی کے ساتھ انگریزی کے بیسیوں لفظ بے تکلف بولتے تھے، اور انگریز فوجی اس زبان کو آسانی سے سمجھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے طول و عرض میں جہاں جہاں انگریزی چھاؤنیاں تھیں، ہندستانی اور انگریزی کی آمیزش سے ایک نئی زبان وجود میں آگئی جو گوراشاہی کہلاتی تھی۔ بالکل یہی عمل ان اسلامی چھاؤنیوں میں ہوا۔ چونکہ چھاؤنی کو ترکی میں اردو کہتے ہیں اور یہ لفظ فارسی میں رائج تھا۔ اس لیے یہ نئی زبان جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلاط اور باہمی کاروبار سے بنی، اردو کہلانے لگی یعنی وہ زبان جو چھاؤنی میں بولی جاتی تھی۔ غرض میرے نزدیک اس زبان کی ابتدا مسلمانوں کی کسی کوشش کا نتیجہ نہیں۔ ان کی زبان فارسی تھی؛ انھیں کیا پڑی تھی کہ وہ یہاں کی زبان سیکھتے! فاتح کی حیثیت سے بالکل قدرتی بات تھی کہ وہ فارسی کو رواج دربار کی زبان بناتے اور یہی انھوں نے بعد کو کیا۔ یہ خواہش تو یہاں کے ہندوؤں کے دل میں پیدا ہوئی کہ وہ اپنے نو وارد حاکموں کو خوش رکھیں اور ان سے مراعات حاصل کریں۔ ظاہر ہے کہ اس سے باہمی آمد و رفت کا سلسلہ اور تعلقات قائم ہو گئے۔ ادھر تجارت پیشہ لوگ اپنا سامان نفع پر بیچنے کے لیے بے چین تھے؛ شاگرد پیشہ طبقہ محنت مزدوری کے لیے پہنچا ہوگا جس زبان میں ان ہندوؤں اور مسلمانوں میں آپس میں تبادلۂ خیالات ہوا وہی ہماری آج کی اردو کی ابتدائی شکل تھی۔

گویا یہاں کی وہ زبان جو مختلف ارتقائی منزلیں طے کر کے کھڑی بولی کے مقام تک پہنچ چکی تھی، اب اس نے اس منزل سے فارسی کو اپنا ہم سفر بنا لیا۔ ایسے حالات میں جس طرح کے تعلقات

دو شخصوں کے درمیان ہوا کرتے ہیں، وہی ان زبانوں میں بھی قائم ہو گئے۔ بے شک اسلامی عنصر کے غلبے کے باعث اس نئی زبان کا رسم الخط وہی قرار پایا جو فارسی کا تھا، لیکن زبان کا ڈھانچہ سراسر ہندستانی رہا۔ اس ابتدائی تعلق پر کم و بیش دس صدیاں گزر چکی ہیں لیکن آج بھی اردو میں فارسی اور عربی کے الفاظ اور یہ عربی لفظ بھی براہِ راست نہیں بلکہ فارسی کے راستے سے آئے ہیں پچیس تیس فی صدی سے زیادہ نہیں، باقی ستر پچھتر فی صدی الفاظ ہندی اور ہندستان کی دوسری زبانوں کے ہیں۔ گویا یہ زبان اپنی ابتدا، ساخت، نشوونما، صرف و نحو، ذخیرۂ الفاظ — غرض ہر پہلو سے ہند آریائی زبانوں کے گروہ میں سے ہے، نہ کہ سامی گروہ سے۔

ان حالات میں کیا یہ کچھ تعجب کی بات ہے کہ اس زبان کو فروغ دینے اور اس میں تصنیف و تالیف کرنے اور نظم و نثر لکھنے میں ہندوؤں نے بھی اتنی ہی سرگرمی دکھائی جتنی مسلمانوں نے۔

ملک کی تقسیم غلط بنیاد پر ہوئی، لیکن ایک اور افسوسناک بات یہ ہوئی کہ اس ہیجانی دور میں جب کہ جذبات سخت مشتعل ہو چکے تھے، صریح اور واضح حقیقتوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے اردو کو محض اپنے رسم الخط کی بنا پر مسلمانوں کی زبان ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ بات سب بھول گئے کہ یہ زبان ہندوؤں نے بنائی تھی، مسلمان اسے باہر سے ساتھ نہیں لائے تھے۔ یہ حقیقت بھی نظر انداز کر دی گئی کہ اس زبان کے علم و ادب کی رونق اور رنگینی میں ہندو مصنفوں اور شاعروں کا بھی اتنا ہی خونِ جگر شامل ہے جتنا مسلمانوں کا۔

ہم آج سیکولر طرزِ حکومت، سیکولر سوسائٹی، سیکولر تعلیم پر بہت زور دے رہے ہیں؛ اور اس ملک میں جہاں دنیا کے تمام مذاہب کے ماننے والے بستے ہیں، یہی طریقہ درست بھی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس ملک کا مزاج ہمیشہ سے سیکولر ہی رہا ہے۔ جن اصحاب کو اس ملک کی تاریخ پڑھنے کا موقع ملا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اس کے ہر دور میں یہی جذبہ کام کرتا رہا ہے؛ اور تو اور اس زمانے میں بھی جب یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی، ایک آدھ استثنا کو چھوڑ کر، بنیادی نظریہ سیکولر حکومت ہی کا تھا۔ اس موضوع سے متعلق تفصیل سے گفتگو کرنے کا یہ موقع و محل نہیں ورنہ ایسی مثالوں کی کمی نہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اکبر سے بھی پہلے علاء الدین خلجی اور غیاث الدین بلبن اور محمد تغلق کے زمانے میں بھی اس مسئلے پر بحث ہوئی تھی، اور فیصلہ سیکولر طرزِ حکومت کے حق میں ہوا۔ سلطان علاء الدین خلجی اور قاضی مغیث کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی وہ پوری تفصیل کے ساتھ ضیاء الدین برنی نے "تاریخ فیروز شاہی" میں نقل کی ہے۔ اردو اسی سیکولر نظریے کی سب سے نمایاں نشانی اور زندہ مظہر ہے۔ جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں، وہ گویا اپنے ملک کے ماضی کو نامنظور اور اس کی روایتوں کو ملیامیٹ کرنے کے مجرم ہیں، نہ صرف یہی بلکہ وہ مستقبل کی امنگوں اور قومی یکجہتی اور اتحاد کے بھی دشمن ہیں۔

ہمارے حالات آہستہ آہستہ بہتر ہو رہے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ اب مخالفت کم ہو گئی ہے بلکہ اس مخالفت میں وہ تندی اور تیزی بھی نہیں رہی جو آج سے دس بارہ برس پہلے تھی۔ شکر ہے کہ غلط فہمی کے بادل چھٹ رہے ہیں۔ اور سوچئے تو آپ دیکھیں گے کہ زندگی کے کسی شعبے میں بھی غلط فہمیوں کے بادل ہمیشہ کے لیے چھائے نہیں رہ سکتے۔ ایک نہ ایک دن صداقت کا آفتاب اپنی پوری تابانی اور جہاں افروزی کی قوتوں کے ساتھ طلوع ہو کے رہتا ہے، اور پھر ہر قسم اور ہر طرح کی غلط فہمیوں، شک و شبہات، مغالطوں اور ذاتی اغراض کی دھند خود بخود چھٹ کر الگ ہو جاتی ہے، جیسے کبھی اس کا وجود تھا ہی نہیں۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اردو سے متعلق وہ مبارک دن آ گیا ہے لیکن اس سے بھی انکار ممکن نہیں کہ مطلع پر صبحِ صادق کے آثار نمایاں ہو چکے ہیں؛ اور وہ وقت دور نہیں جب اس زبان کو اس کا جائز حق اور مقام حاصل ہو کے رہے گا۔

لیکن یہ بھی سخت غلطی ہوگی، اگر ہم بدلے ہوئے حالات سے آنکھیں بند کر لیں۔ ۱۹۷۶ء کا ہندستان ۱۹۴۷ء کا ہندستان نہیں بن سکتا! اس تیس برس میں دنیا کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے۔ اب ہمارے دستور کے مطابق ہندی اس سارے ملک کی سرکاری زبان ہے۔ اردو کے علاوہ چودہ اور زبانیں بھی اس ملک کی قومی زبانیں ہیں۔ اگر یہ حقائق مدِ نظر نہ رکھے گئے تو اردو کی تعلیم و ترویج میں خاطر خواہ ترقی نہیں ہو سکتی۔

سب سے پہلی بات اردو کے رسم الخط سے متعلق ہے۔ بعض اوقات ایسا خیال ہونے لگتا ہے کہ اردو کی موجودہ مخالفت اتنی اس کے لفظی اور معنوی ذخیرے کی وجہ سے نہیں جتنی رسم الخط اور ظاہری لباس کے باعث ہے۔ لیکن یہ محض مغالطہ ہے، دراصل اس مخالفت کی جڑیں بہت گہری ہیں، جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ بہرحال بعض لوگ جن کی معاملے کے تمام پہلوؤں پر نظر نہیں، کبھی کبھی یہ مشورہ دینے لگتے ہیں کہ اگر فساد کی بنا یہ رسم الخط ہی ہے تو لاؤ ہم اسے چھوڑ ہی کیوں نہ دیں اور اس کی جگہ رومن یا دیوناگری رسم الخط اختیار کر لیں۔ سوچنے کا یہ ڈھنگ افسوسناک ہے اور اس پر خطرناک بھی۔ رسم الخط محض کسی زبان کا لباس ہی نہیں، اس کی زینت اور اس کی روح کا محافظ بھی ہے۔ اگر ہم نے موجودہ رسم الخط بدل ڈالا تو گویا پچھلی تین چار صدیوں میں ہم نے علم و ادب کے میدان میں جو کچھ کیا تھا اسے خیرباد کہہ دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ ترکی میں کیا ہوا۔ اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا کے زمانے تک اردو کی طرح ترکی زبان بھی فارسی حروف میں لکھی جاتی تھی۔ ۱۹۲۴ء میں اتاترک نے اسے ترک کر کے ترکی زبان کو رومن رسم الخط میں لکھنے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد کچھ اہم پرانی کتابیں نئے رسم الخط میں چھاپی گئیں، لیکن آپ جانتے ہیں

(باقی صفحہ ... پر)

غزلیں

مخمور سعیدی

ہو کے جس راہ سے گذر جائیں　　ہر قدم پر وہ گل کتر جائیں
زندگی کتنی بے سہارا ہے　　موت دھارس نہ دے تو مر جائیں
ہم سفر رہ گئے بہت پیچھے　　بڑھتے جائیں کہ ہم ٹھہر جائیں
راہ رو کے کھڑی ہیں کچھ یادیں　　جس طرف جائیں ہم جدھر جائیں
وہ نظر رکھ رہی ہے مرہم لطف　　کیا عجب دل کے زخم بھر جائیں
جی اٹھے تھے نگاہ لطف سے ہم　　بے رخی کی ادا پہ مر جائیں
ہم نہ توڑیں گے اپنی امیدیں　　اپنے وعدوں سے وہ مکر جائیں
مہلت کاروبار شوق ہے کم　　کل جو کرنا ہے آج کر جائیں
زندگی بن گیا ہے عشق ان کا　　ہم نے چاہا یہ تھا کہ مر جائیں
چونک پڑتا ہے اپنی نیند سے حسن　　عشق کے خواب جب بکھر جائیں
آ کے ساحل پہ ڈوب جاتے ہیں　　جو تلاطم سے پار اتر جائیں
عشق میں ایسے غم بھی ہوتے ہیں　　دل کو جو شاد کام کر جائیں
دل تک دوش آرزو ہو اگر　　سر سے کیا کیا نہ بار اتر جائیں
اتنے بیچ کر نہ گزرو ہم سے کہ ہم　　خود بھی تم سے گریز کر جائیں
کوئی پرسان مرگ و زیست نہیں　　ق　　کس کو پروا جئیں کہ مر جائیں
آ گئے ہم عجب دوراہے پر　　سوچتے ہیں کہ اب کدھر جائیں
بزم آرائی خیال کے ساتھ　　ق　　اور دو ایک پل گزر جائیں
آخر شب ہے اب تری یادیں　　مجھ کو تنہا نہ چھوڑ کر جائیں
جی لیے جیسے جی سکے مخمورؔ
ہم سے اب بن پڑے تو مر جائیں

سید حسنت الاکرام

گیسوئے درد کے سلجھاؤ نہ خم چھیڑے پھر　　دیکھو آشفتگی عشرت غم چھیڑے پھر
اپنے سے اپنی یہ دوری نہیں سہنے پاتی　　بڑھتے ہیں دل کی طرف دل کے قدم چھیڑے پھر
او رہو جاتے ہیں احساس کے سائے گہرے　　اور بڑھ جاتا ہے یادوں کا ستم چھیڑے پھر
کھینچ لے جاتی ہے خوابوں کے جزیرے میں حیات　　جیسے ملتے نہیں اپنے کو بھی ہم چھیڑے پھر
سوا گجر کے شبستاں سے بلاتا ہے کوئی　　زندگی ہوتی ہے آمادہ رم چھیڑے پھر
گھلے ملتے ہیں جو آ کے ہوا کے جھونکے　　یاد آتا ہے بہت ان کا کرم چھیڑے پھر
صبح پگھلائے نہ ان کو تو خدا ہی جانیں　　دل نے ایسے بھی تماشے ہیں تو قسم چھیڑے پھر
حسن فطرت سے ہم آغوش ہوا جاتا ہے　　کتنا گستاخ ہے شاعر کا قلم چھیڑے پھر
ہر حقیقت کا دھڑک اٹھتا ہے سینہ حسنتؔ
وقت کہتا ہے مرے دل کی قسم چھیڑے پھر

مدہوش بلگرامی

ان کو غم کا یقیں نہیں ہوتا　　درد ابھی دلنشیں نہیں ہوتا
کوئی منزل نہیں ہے وحشت کی　　عشق صحرا نشیں نہیں ہوتا
دل میں ہے سلسلہ امیدوں کا　　ختم قصہ کہیں نہیں ہوتا
اہل دنیا بھلا چھپے مدہوشؔ　　ذکر میرا کہیں نہیں ہوتا

اساتذہ اردو کی سہ روزہ کانفرنس

پروفیسر محمد مجیب کا خطبہ افتتاحیہ

(انجمن اساتذۂ اردو جامعات ہند کی سہ روزہ کانفرنس میں پروفیسر محمد مجیب نے جو خطبہ افتتاحیہ پڑھا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ ادارہ)

کہ یہ سوال کہ ہندوستان میں اردو کی حیثیت کیا ہے اور کیا ہونا چاہیے بہت پرانا ہے اور ۲۰ سال سے ایک اہم سیاسی مسئلہ بن گیا ہے جمہوری حکومت میں کسی معاملہ کی اہمیت تسلیم نہیں کی جاتی جب تک کہ وہ ایک سیاسی مسئلہ نہ ہو جس کا طے کرنا ناگزیر ہو جائے اس لیے ان لوگوں کی شکایت نہیں کی جا سکتی جنہوں نے ۲۰ سال پہلے اردو کو اس کا حق دلانے کے لیے ایک معاملہ کو جو دراصل تہذیب کا معاملہ ہے سیاسی رنگ دیدیا بد قسمتی سے ملکی سیاست نے اس دوران میں ایسے پیچ لگائے کہ اردو کا مستقبل ایک سیاسی مطالبہ کے ساتھ الجھا دیا گیا جس کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس کی سزا ہم اب تک بھگتتے رہے ہیں اب بھی شاید یہ ممکن نہیں کہ اردو کو اس کا حق سیاسی تدبیریں اختیار کیے اور سرکاری حلقوں میں معاملے کی پیروی کیے بغیر دلوایا جائے مگر اس کانفرنس کا مقصد علمی اور تعلیمی ہے سیاسی نہیں ہے اور ہمیں ان طریقوں پر غور کرنا ہے جن کے ذریعہ بدلتے ہوئے حالات میں اردو ترقی کر سکتی ہے اور اپنا علمی اور تہذیبی منصب پورا کر سکتی ہے موجودہ حالات کا جہاں تک میں اندازہ کر سکتا ہوں اردو پڑھانے والوں پر آج کل بے چینی کی کیفیت طاری ہے۔

اردو سے محبت کرنے والوں میں جب تک یہ کیفیت طاری رہے گی اردو کا استاد کچھ نہ کر سکے گا اس سے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ جیسے اردو کا وطن پورا ہندوستان ہے ویسے ہی اس کا وطن ہر وہ علاقہ ہے جہاں کسی صورت سے اردو کی تعلیم دینا اس کے سپرد کیا گیا ہے اسے ہر وقت یاد رکھنا چاہیے کہ اردو بہت سی زبانوں کے ملنے سے بنی ہے اس کا منصب الگ کرنا اور الگ رکھنا نہیں ہو سکتا، ملنا اور ملانا ہی ہو سکتا ہے اور ملنے ملانے کی اپنی شرطیں اپنے آداب ہیں جن کا تعلق انسان کی نفسیات سے ہے آدمی سب سے زیادہ اپنے آپ کو پسند کرتا ہے اس کے بعد ان لوگوں کو جو اسے پسند کرتے ہیں اور پھر کہیں جب کہ سوچتا ہے کہ جو لوگ اسے پسند کرتے ہیں ان میں اور کیا خوبیاں ہیں اردو کے استاد اس عام حقیقت کو سامنے رکھیں تو گرد و پیش کے لوگوں کو محسوس کرا سکیں گے کہ اس میں ان کی مزاج شناسی اور قدردانی کی صلاحیت ہے اور وہ ان کے قریب آنا چاہتے ہیں اس کے لیے صبر اور موقع شناسی کی ضرورت ہوگی لیکن جب اردو کام نکالنے کے لیے نہیں بولی جاتی بلکہ ایک تہذیب کی حامل ہے تو اردو کے استاد کے ذریعے اس تہذیب کو پھیلنا چاہیے۔

———

صفحہ ۴ سے آگے

کہ صدیوں کے سرمایے کو منتقل کرنا آسان کام تو ہے نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان چند گنتی کی کتابوں کو چھوڑ کر یہ سارا ذخیرہ جوں کا توں فارسی رسم الخط میں لکھا اور چھپا ہوا کتاب خانوں کے طاقوں پر رکھا، کیڑوں کی خوراک بن رہا ہے۔ کبھی کوئی ریسرچ اسکالر یعنی محقق شوقِ جستجو میں ان کی ورق گردانی کر لے تو کر لے، ورنہ آج کوئی ان کے نام تک نہیں جانتا۔ اگر ہم نے اردو کا رسم الخط بدل ڈالا تو یاد رکھیے کہ ہمارے علمی اور ادبی خزانے کا بھی یہی حشر ہوگا۔ اور آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کتنا بڑا نقصان ہوگا۔

اردو کے رسم الخط کا یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ اس کے جان لینے سے دو غیر ملکی زبانیں۔ فارسی اور عربی۔ سیکھ لینا آسان ہو جاتا ہے جو پورے وسطِ ایشیا، مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کی زبانیں ہیں۔ یہ ممالک ہمارے ہمسایہ ہیں۔ ہمارے ان کے صدیوں اور ہزاروں سال کے پرانے تہذیبی، سماجی، سیاسی، تجارتی تعلقات ہیں؛ اور اب ہمارا ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ زبان کی مماثلت اور یکسانی کتنی مفید اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہے، اس کا تجربہ اُن اصحاب کو ہوگا جنھیں کبھی پردیس میں سفر کرنے کا موقع ملا ہے۔

آخر ہم کیوں اس رسم الخط کو چھوڑ دیں؟ اگر کسی کو یہ پسند نہیں تو نہ ہو؛ ہم پرائے شگون کے لیے اپنی ناک کیوں کٹوالیں۔

البتہ ایک بات بہت تشویش ناک ہے۔ زبان بڑھتی دولت ہے۔ اگر اس میں نئے نئے الفاظ داخل نہ ہوتے رہیں، اگر یہ زمانے کی ضرورتوں کا ساتھ نہ دے سکے اور اس میں ہر طرح کے خیالات کے اظہار اور واقعات کے بیان کے لیے لفظ نہ بنتے رہیں تو سمجھ لیجیے کہ زبان کی ترقی رک گئی ہے جس طرح طبع کی روانی میں رکاوٹ خوب نہیں، اسی طرح جب آپ کی زبان میں نئے الفاظ کا داخلہ بند ہو جائے یا خود اسی میں نئے الفاظ گھڑنے کی صلاحیت ختم ہو جائے، تو سمجھ لیجیے کہ نہ صرف یہ آگے نہیں بڑھ رہی ہے، بلکہ زوال کی طرف مائل ہونے والی ہے۔

کر گئی فنا کی آگ ہے مند پانی میں

اردو کی تاریخ میں وہ دن واقعی بہت ہی افسوسناک تھا، جب ہمارے بعض اساتذہ نے اصلاح اور تنقید کی ترنگ میں ہندی کے ایسے آسان لفظ بھی زبان بدر کر دیے، جنھیں ہر چھوٹا بڑا سمجھتا تھا اور جنھیں مصنف اور شاعر بے تکلف اپنی تحریروں میں استعمال کر رہے تھے۔ زمانہ بھی نہ کسی کو بخشتا ہے نہ انتقام لینے سے چوکتا ہے۔ دیکھ لیجیے ان میں سے کئی لفظ آج پھر استعمال ہونے لگے ہیں۔ خیر جو کچھ ہو چکا، اس کا افسوس بے سود ہے۔ اگر ہم اس سے عبرت حاصل کر کے اب ہی اس بات کا تہیہ کر لیں کہ آئندہ اپنی زبان کے سرمایے میں اضافہ کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کریں گے تو یہ بھی کچھ کم قابلِ قدر کام نہیں ہوگا۔

آزادی کے بعد سے بہت سے نئے لفظ زبانوں پر آنے لگے ہیں۔ آپ اردو اخبار پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت سے ہندی اور انگریزی کے الفاظ جو اس سے پہلے ہم نہیں بولتے تھے اب بے تکلفانہ لکھنے اور بولنے لگے ہیں۔ ان میں سے بعض لفظ تو ایسے ہیں کہ ان کے ہم معنی لفظ پہلے سے ہمارے یہاں موجود ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کی وجہ اس کی دماغی سستی یا سہل انگاری یا پھر عدم واقفیت کے سوائے کچھ نہیں؛ ایسے لفظ اپنانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن یہ بھی واقع ہے کہ زیادہ تعداد ایسے لفظوں کی ہے جو نئے ہیں یا موجودہ لفظوں کی بہ نسبت آسان تر ہیں؛ ایسے الفاظ پر ہمارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کسی اور کا۔ یہ بہت صحت مندانہ رجحان ہے۔ بلکہ میں تو اس سے بھی ایک قدم اور آگے جانے کو تیار ہوں۔ ہندی کے تمام ایسے الفاظ جو عوام کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں اور جنھیں وہ اپنے روزمرہ میں استعمال کرتے ہیں اگر وہ اردو کے مزاج کے منافی نہیں تو ہمیں چاہیے کہ بے جھجک انھیں اپنا لیں۔

ہمیں اپنے لغات کے مجموعوں پر بھی نظرِ ثانی کرنا پڑے گی۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں کوئی ایسا ادارہ نہیں جو ان نئے لفظوں کی فہرست تیار کرتا ہو، جو زبان میں داخل ہو رہے ہیں۔ میری مراد یہ ہے کہ مختلف اخبار اور رسالے باقاعدگی سے دیکھے جائیں، اور روز بروز اُن الفاظ کی فہرست تیار ہوتی رہے جو پہلے سے ہمارے پاس موجود نہیں یا موجود تو ہیں لیکن کسی اور معنی میں استعمال ہوتے تھے اور اب ان کے معنی بدل گئے ہیں یا ان میں کوئی نیا پہلو پیدا ہو گیا ہے۔ میں نے اخباروں کا ذکر اس لیے کیا کہ عام طور پر نئے لفظ سب سے پہلے اخباروں، رسالوں میں لکھے جاتے ہیں اور اس کے بعد زبانوں پر آتے اور بول چال میں استعمال ہونے لگتے ہیں۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی صحافی یا ادیب نے کوئی نیا لفظ گھڑا لیکن یہ چل نہ سکا اور اپنی موت مر گیا یا چند دن اس کا رواج رہا اور پھر ترک ہو گیا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ مجھے مثالیں دینے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ خود آپ کے علم میں بھی ہوں گی۔ ان سب باتوں کا ریکارڈ اسی مرکزی دفتر میں ہونا چاہیے۔ یہی آگے چل کر ہمارے لغات کی تدوین و ترتیب میں خام مواد کا کام دے گا۔

لغات کے سلسلے میں ایک اور امر بھی قابلِ گزارش ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہندی کے علاوہ اردو میں کسی اور زبان کا لغات بھی مرتب ہوا ہے یا نہیں؛ کم از کم کوئی ایسا لغات میری نظر سے نہیں گزرا۔ یہ بہت بڑی کمی ہے۔ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت یہ کام شروع کرنا چاہیے۔ اس کی ابتدا بنگالی اور تمل سے ہو اور جوں جوں حالات اجازت دیں اسے وسعت دی جائے۔

اسی سلسلے میں مناسب ہوگا کہ چند لفظ نصاب اور خاص طور پر صرف و نحو سے متعلق بھی عرض کر دوں۔

اب اردو جاننے کے لیے فارسی کے ساتھ ہندی کا علم بھی ضروری ہو گیا ہے۔ اوّل تو جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، اردو میں ان دونوں زبانوں کا عنصر غالب ہے۔ الفاظ کی ساخت اور کینڈے اور معانی کی تعیین اس وقت تک ممکن نہیں جب تک آپ کو ان دونوں کی واقفیت نہ ہو۔ اگر آپ اپنی زبان کا دامن وسیع کرنا چاہتے ہیں اور اس میں ہندی کے الفاظ کا داخلہ ضروری سمجھتے ہیں تو اس کے لیے بھی ہندی کا جاننا مفید ہے۔ بے شک ہندی کے لفظ اردو میں ضرور لیے جائیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام اندھا دھند تو نہیں ہو سکتا۔ اب اردو ایک مستقل زبان ہے جس کی ردّ و قبول کی حس بڑی نازک ہے۔ اگر ہم نے اس میں ایسے لفظ شامل کرنے کی کوشش کی جو اس کے عام مزاج کے خلاف ہوئے تو وہ انھیں یقیناً رد کر دے گی۔ دارالترجمہ حیدرآباد کی مثال دیکھئے۔ وہاں کتنے قابل اور ماہر لسانیات اصحاب نے کتنی محنت سے کئی برس تک کام کیا دنیا جہان کی اہم ترین کتابوں کے ترجمے ہوئے نئی نئی اصطلاحیں وضع ہوئیں الفاظ گھڑے گئے۔ لیکن ان میں سے کتنے بازار کا چالو سکہ بن سکے؟ انسان کو غذا وہ کھانا چاہیے جسے اس کا جسم قبول کرنے پر تیار ہو اور معدہ ہضم کر سکے تاکہ یہ جزو بدن بن کر طاقت اور نشاط اور صحت کا ذریعہ بنے نہ کہ اس کے کھانے سے انسان بیمار پڑ جائے یہی حال زبان اور اس میں داخل ہونے والے لفظوں کا ہے۔ ہندی اور فارسی یا کسی اور زبان کے بھی لفظوں کے لینے میں یہی اصول ہمارے سامنے رہنا چاہیے لیکن یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ کیا لیا جائے اور کیا ترک کر دیا جائے لازم ہے کہ ہم ہندی اور فارسی دونوں زبانوں سے اچھی طرح واقف ہوں تاکہ ہم لفظوں کا معانی کے لحاظ سے ٹھیک استعمال کر سکیں۔ بس اردو پڑھانے والے اداروں کو اپنے نصاب میں ہندی اور فارسی کی معقول تعلیم کا خاص انتظام کرنا چاہیے۔ میرے نزدیک ان کی سرسری واقفیت کافی نہیں ہوگی بلکہ اس سے کچھ زیادہ پر زور دینا پڑے گا۔

ہندی کا پڑھنا پڑھانا تو ایک اور وجہ سے بھی ضروری ہو گیا ہے۔ ہندی اب ملک کی سرکاری زبان ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ روزمرہ کی زندگی میں ہمیں قدم قدم پر اس سے واسطہ پڑے گا۔ اگر کوئی شخص اسے طالب علمی کے زمانے میں نہیں پڑھتا تو بعد کو وہ اسے ذاتی طور پر حاصل کرنے کی لاکھ کوشش کرے وہ پوری مہارت پیدا نہیں کر سکتا؛ زیادہ سے زیادہ مبتدی کے درجے میں پہنچ جائے گا اور اتنی سی واقفیت سے اب کام نہیں چلنے کا۔ یہ نہ دین کے کام آئے گی نہ دنیا کے۔

اسی سلسلے کا دوسرا قدم قواعد اردو کو از سر نو لکھنا ہے۔ ادھر ایک زمانے سے میں نے قواعد کی کوئی کتاب نہیں دیکھی، لیکن ایک بات میں جانتا ہوں کہ میری طالب علمی کے زمانے میں اردو صرف و نحو گویا کلی طور پر فارسی اور عربی صرف و نحو کا مثنیٰ تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ مثالیں اردو نظم و نثر سے ہوا کرتی تھیں۔ اگر اب تک اردو کی صرف و نحو اسی ڈگر پر لکھی جا رہی ہے تو میرے نزدیک یہ بالکل غلط طریقہ ہے۔ اردو اس ملک کی زبان ہے یہ کھڑی بولی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ بے شک اس نے فارسی سے بہت کچھ لیا ہے، لیکن اس سے اس کا بنیادی کردار تو نہیں بدل سکتا۔ اس کی صرف و نحو فارسی اور ہندی دونوں کے صرف و نحو کے مناسب امتزاج سے لکھی جانا چاہیے، اصطلاحوں کے ناموں میں بھی اسی بنیادی اصول کی پابندی کرنا پڑے گی۔

میں نے اپنی طول کلامی سے آپ کا بہت وقت لیا۔ در اصل میں نے اس قدر آپ سے خطاب نہیں کیا جتنا اپنے آپ سے اونچی آواز میں باتیں کرتا رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری کسی رائے سے اختلاف ہو تو یہ آپ کا حق ہے بہرحال ان مسائل کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اردو کے بہی خواہوں کا فرض ہے کہ وہ ان پر غور کریں اور کسی متفقہ فیصلے پر پہنچ کر اس پر عمل کریں۔

آخر میں میرا خوشگوار فرض ان عزیزوں کو مبارکباد پیش کرنا ہے جو اپنی محنت کا پھل پانے کو آج یہاں جمع ہوئے ہیں۔ میری ان سے یہی درخواست ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے ترکے کی قدر کریں اور اس کی شان اور عزت میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں۔ میری دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ ان کے نیک ارادوں میں برکت دے اور ان کا حامی و ناصر رہے۔

مراسلات

مندرجہ ذیل اشعار اور مصرعے کن شعرا کے ہیں

مہربانی ہوگی اگر کوئی صاحب بتا سکیں کہ مندرجہ ذیل اشعار اور مصرعے کن شعرائے کرام کے نگارشات میں سے ہیں جہاں صرف مصرع دیا ہے، وہاں حتی الامکان دوسرا مصرع بھی بتایا جائے۔ ماخذ کی نشاندہی ہر صورت میں لازم ہے۔

دو کروٹیں ہیں عالمِ غفلت میں خواب کی

نسیم صبح! تیری مہربانی

کس کس کی مہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ   دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا!

بیں لیں گے تجھے ناز بلند تر سے

اسی گھر میں جلایا ہے چراغِ آرزو برسوں

کشتوں کی تیری چشمِ سیہ مست کے مزار   ہوگا خراب بھی، تو خرابات ہو دیگا

کون ایسا ہے جسے دست ہو دلسازی میں   شیشہ ٹوٹے، تو کریں لاکھ ہنر سے پیوند

زباں جلائی کیے شمع ہاتھ پیچوں سے   یہ بندوبست ہوئے ہیں امر بیاں کے لیے

نکل چکا ہے وہ کوسوں دیارِ حرماں سے

ملے جو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی   عجیب چیز ہے یہ طولِ مدعا کے لیے!

اسی کی سی کہنے لگے اہلِ حشر   کہیں پرسشِ دادخواہاں نہیں

چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

پیری سے کمر میں اک خم ہے   توقیر کی صورت مجسم

دل کے ویرانے میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی

گزر چکی ہے یہ فصلِ بہار ہم پر بھی

ہے اک بانکپن بھی بیدماغی میں تو زیبا ہے   بڑھا دو چینِ ابرو پر ادائے کج کلاہی کو

دہن کا ذکر کیا، یاں سر ہی غائب ہے گریباں ہے

بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں پہلے درد تھا

کہ پاؤں توڑ کے بیٹھے ہیں پاسِ بند تو سے

لذتِ معصیتِ عشق نہ پوچھ   خلد میں بھی یہ بلا یاد آئی

(م،)

کچھ ایک نظم کے سلسلے میں

ہماری زبان کے ۱۵ اپریل ۶۶ء کے شمارے میں جناب رئیس مینائی کی ایک نظم (؟) بعنوان "اندیشہ" شائع ہوئی ہے۔ ۶ سطروں پر مشتمل اس نظم کو ایک شعر کی شکل میں بھی پیش کیا جا سکتا تھا، یعنی اس طرح:

مرے وجود کے اوراق کو کسی اک دن
اکیلے پن ہی کی دیمک نہ چاٹ جائے کہیں

اس طرزِ عمل سے تو کسی شعر کو ۶ سطروں میں لکھ کر نظم کہا جا سکتا ہے۔ ترکیب تو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ (نارائن رستوگی)

اردو الفاظ کا شدّ اور تلفّظ

ہماری زبان شمارہ ۲۲ مارچ ۶۶ء میں، میرے دوست پروفیسر سید عبد الحی رضا صاحب کا ایک مراسلہ شائع ہوا تھا۔ اس میں رضا صاحب نے اردو الفاظ کے شدّ اور تلفّظ کی وضاحت کے لیے ایک تجویز رکھی تھی۔ اس کو عام طور پر پسند کیا گیا تھا۔ اب تک "ہماری زبان" میں علقمہ شبلی، آغا خلش کاشمیری، جیا پرشاد شتل، عین الحق دکنی وغیرہ کی تائید بھی اس بارے میں ہو چکی ہے۔

افسوس ہے کسی المتذکر صاحب نے اس پر اظہارِ حیرت کیا؛ اور اس تجویز کو بے سود قرار دیا۔ اگر ہماری زبان کا ایک آدھ صفحہ الفاظ کے شدّ اور تلفّظ کی وضاحت میں صرف ہو تو اس سے اردو کو نکھار حاصل ہوگا نہ کہ اس سے اردو کی نشو و نما کی دوسری راہیں مسدود ہوں گی!

ہر متمدن ملک اپنی زبان کو صحیح طور پر استعمال کرنے کے لیے بے شمار طریقے اختیار کر چکا ہے اور کر رہا ہے۔ اس وقت امریکہ اور برطانیہ اس کی بڑی مثالیں ہیں۔ لیکن ہم کم ترقی یافتہ لوگ اپنی

زبان کے الفاظ کے شیڈ کی تشریح کو بھی زائد سمجھیں! یہ کیسی دشمنداری ہے!

ضرورت ہے کہ ایک مستقل طور پر صرف لسانیات سے متعلق رسالہ نکلے۔ اس میں الفاظ کی تاریخ ہو، الفاظ کے چلن کی نشاندہی ہو اور معنی ہوں۔ روزمرہ، محاورے اور اصطلاحات کی نئی پرانی ترکیبوں کی کہانی بھی ہو!

اس طرح یہ ایک بڑی خدمت ہوگی!

اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے سمپوزیم اور سیمینار بھی قائم کیے جاسکتے ہیں۔ کاش کوئی مرد مجاہد اس بات میں پہل کرتا!

(زور آفریدی)

راجستھان کے شعرا کی توجہ کیلیے

مشہور نوجوان محقق جناب سید فضل المتین اجمیری "تذکرہ شعرائے راجستھان" مرتب کر رہے ہیں۔ اس تذکرے کو زیادہ سے زیادہ جامع بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور راجستھان کے سبھی اہم ادبی مراکز سے رابطہ قائم کیا جا رہا ہے لیکن پتے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے تمام شعرا کو الگ الگ خطوط لکھے جانے مشکل ہیں اس لیے اس اعلان کے ذریعہ درخواست کی جاتی ہے کہ شعرا حضرات کم از کم اپنی پانچ منتخب چیزیں اور مختصر حالات زندگی مندرجہ ذیل پتے پر جلد سے جلد ارسال فرمانے کی زحمت گوارا کریں۔ مزید نوازش ہوگی اگر شعرا حضرات اپنے یہاں کے مجموعی ادبی ماحول کے بارے میں بھی کچھ معلومات بہم پہنچا دیں۔

(منیجر، نازش بک سینٹر، ۳۰۰۲ چھتہ تیلیان ترکمان گیٹ، دہلی ۶)

طلبا اور رہائش

جناب علقمہ شبلی صاحب کا استفسار ہے کہ طالب کی جمع طلبا صحیح ہے؟ عربی میں جمع کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) سالم جمع مذکر بہ حالت فاعلی 'ون' اور بہ حالت مفعولی 'ین' بڑھا کر بنائی جاتی ہے مثلاً طالبون، طالبین اور جمع مونث 'ات' بڑھا کر بنتی ہے مثلاً طالبات۔ (۲) مکسر اس کے مختلف اوزان ہیں اور سبھی سماعی۔ طلبا صحیح ہے۔ ملاحظہ ہوں لغات المنجد، صراح اور لسان العرب۔

لفظ رہائش اردو صرف کی رو سے غلط ہے۔ "رہنا" کا حاصل مصدر وضعی بروزن نوازش ہے مگر "غلط العام فصیح" کا مصداق ہے۔ تاحد علم بہ وثوق کہہ سکتا ہوں کہ علامہ شبلی نے لکھا ہے۔

راقم الحروف جس زمانے میں مجلس لسانیات انجمن ترقی اردو صوبہ بہار کا سکریٹری تھا ایک مجلس میں "رہائش" کی صحت پر مباحثہ ہوا اور اسناد کی بنا پر یہ فیصلہ ہوا کہ کثرت استعمال کی بنا پر "غلط العام" ہے "غلط العوام" نہیں۔ لہٰذا صحیح ہے۔ اس کا بدل بھی اردو میں ہے "رہن"، جو عموماً اپنے تابع مہمل کے ساتھ مستعمل ہے۔ (یوسف نجمی، پٹنہ)

ایک تصحیح

کریلا میں عربی اور اردو کے عنوان پر جو مضمون ۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا اس میں جہاں ہائی سکولوں میں اردو تعلیم کا ذکر کیا گیا ہے وہاں سرکاری ہائی اسکولوں کا ذکر چھوٹ گیا ہے۔ ریاست بھر میں صرف ایک ہی سرکاری ہائی اسکول ہے جہاں اردو تعلیم کا انتظام ہے وہ گورنمنٹ ہائی اسکول ملاپرم ہے۔

(ایس۔ ایم۔ سرور)

مجوزہ ہریانہ پرانت میں اردو

ہریانہ پرانت کے لیے تین زبان کا فارمولا ہونا چاہیے۔ اردو کو اس میں جگہ ملنی چاہیے۔ اردو جاننے والے اس پرانت میں بہت ہیں۔ اردو سب سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ الفاظ اردو زبان کے ہی یہاں کے لوگ گیتوں اور عام کہاوتوں میں "برتتے" ہیں۔ مدرسہ، کچہری، جائیداد، کتاب، حکم، دعا، امتحان، درگت وغیرہ تمام عام فہم کے الفاظ اردو کے ہیں۔ ہندی کا سوال اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اردو کو اول تو یہاں پہلا درجہ ملنا چاہیے نہیں تو دوسرا ضرور ملنا چاہیے۔ پنجابی کی بجائے اردو ہونی چاہیے۔ ویسے اگر کوئی پنجابی سیکھے تو دوسری بات ہے مرکزی سرکار اس پر دھیان دے۔

(مہابیر پرشاد شل شاد)

مالیگاؤں کی تعلیمی کیفیت

مالیگاؤں ۱۱ راپریل انجمن ترقی اردو شاخ مالیگاؤں کی جانب سے جناب ڈاکٹر رحمانی صاحب کی قیادت میں ایک وفد نے اسکول بورڈ کے چیرمین اور ایڈ آفیسر سے ملاقات کی۔ اسکولوں کے انتظامی امور اور معیار تعلیم وغیرہ سے متعلق بات چیت ہوئی۔ ایڈ آفیسر صاحب سے مندرجہ ذیل معلومات فراہم ہوئیں۔

(۱) شہر میں اردو کے ۲۵ اسکول ہیں۔ دو اسکولوں میں مخلوط تعلیم دی جاتی ہے۔

(۲) اردو اسکولوں میں لڑکوں کی تعداد ۷۳۷۰ ہے اور لڑکیوں کی ۵۷۳۷۔

(۳) ۱۱۴ مدرس ٹرینڈ ہیں۔ اور ۹۸ اَن ٹرینڈ۔ استانیوں میں ۶۵ ٹرینڈ ہیں اور ۵۲ اَن ٹرینڈ۔

(۴) میونسپلٹی کی ۹ عمارتیں ذاتی ہیں اور ۱۱ عمارتیں کرایہ سے ہیں۔ ۹ اسکولوں کی اپنی کوئی عمارت نہیں ہے۔ یہ دوسری عمارتوں میں شفٹ سسٹم پر چلائی جاتی ہیں۔

(۵) اردو کی ۲۴۹ کلاسیں ہیں۔

(۶) پہلی اور دوسری جماعت کے تقریباً اسّی بچے ایک مدرس کے ذمہ ڈھائی گھنٹے دو شفٹ میں رہتے ہیں۔

(۷) ہر کلاس میں روزانہ ۴۵ منٹ کا ایک پیریڈ اردو زبان کا رہتا ہے۔

اراکین وفد کا خیال تھا کہ آبادی کا چوتھائی حصہ اسکول جانے والے طلبہ اور طالبات پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن مالیگاؤں میں یہ تعداد بہت کم ہے۔ اس سلسلے میں وفد کو بتایا گیا۔ کہ ہر سال ۶ سے ۱۱ سال کے بچوں کو شمار کیا جاتا ہے۔ بورڈ کی یہ کوشش ہوتی ہے۔ کہ ان تمام بچوں کو داخل کر لیا جائے۔ انھیں نوٹس بھی دی جاتی ہے۔ مالیگاؤں میں آبادی کا بہت بڑا طبقہ جھونپڑوں میں گذر بسر کرتا ہے۔ جو بار بار ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔ اس لیے پتہ "تلاش" کرنا دشوار ہوتا ہے۔ چیرمین صاحب نے اس خیال کو غلط بتایا کہ جگہ کی کمی سے داخلے نہیں ملتے۔ انھوں نے بتایا کہ پچھلے سال ۳۰ کمروں کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس سال بھی ایسی ہی کوشش کی جائے گی۔ اور زیادہ سے زیادہ بچوں کو داخل کیا جائے گا۔ انجمن ترقی اردو یا دیگر سوشل اداروں سے اسکول بورڈ یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں تعاون فرمائیں گے۔

وفد نے بورڈ کی توجہ اس طرف بھی مبذول کرائی کہ مدرسوں میں اٹھائیس فیصدی اور استانیوں میں پچاس فیصدی غیر تربیت یافتہ ہیں۔ چیرمین صاحب نے اس کی وجہ بتائی کہ اردو ٹریننگ کالج کم ہیں۔ ان میں بھی ضلع پریشد اور اسکول بورڈ کے مدرسین کی تعداد سے ہی داخلے پر ہو جاتے ہیں۔ ایس۔ ایس۔ سی اور پی۔ ایس۔ سی کے پرائیویٹ امیدواروں کو بہت کم داخل کیا جاتا ہے۔

یہاں وفد نے اپنی اس تجویز کا ذکر کیا جس میں مقامی طور پر زنانہ ٹریننگ کالج کے قیام کا مطالبہ حکومت سے کیا گیا ہے۔ اس پر چیرمین صاحب نے مسرت کا اظہار کیا اور وعدہ کیا کہ وہ بھی بورڈ سے ایک تائیدی تجویز منظور کرانے کی کوشش کریں گے۔

اسپیشل مضامین مثلاً ڈرائنگ، سلائی، مراٹھی وغیرہ پڑھانے کے لیے وفد نے یہ رائے دی کہ ذریعہ تعلیم اردو ہونا چاہیے۔ تاکہ بچوں کی اچھی طرح فہمائش ہو سکے۔ ایڈ آفیسر صاحب نے بتایا کہ وہ تعلیم کے اس بنیادی نظریے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اردو اسکولوں میں فی الحال ایک یا دو مدرس ایسے ہیں جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔ اور وہ اردو اسکولوں میں اسپیشل مضامین پڑھا رہے ہیں۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ مناسب آدمی ملنے پر ضروری تبدیلی کر دی جائے گی۔ پیون اور کال وغیرہ کے سلسلے میں انھوں نے بتایا کہ یہ پچھلے دور سے ملازم ہوتے ہیں۔ ان کے لیے اردو یا مراٹھی تعلیم کا کوئی سیکشن نہیں ہے اس لیے اردو اسکولوں میں مراٹھی کے ملازمین کا تقرر ہو گیا ہے۔ لیکن یہ تعداد بھی ایک یا دو سے زیادہ نہیں ہے۔

وفد کے ایک سوال کے جواب میں ایڈ آفیسر صاحب نے اس بات کی تردید کی کہ چند کلاسیں سال بھر مدرسین سے خالی رہیں۔ مگر انھوں نے اس بات سے اتفاق کیا کہ گیارہ کلاسوں کو دوسرے مدرسین کے ذمہ دے دیا گیا تھا۔ پچھلے سال چند وجوہات کی بنا پر نئے مدرسین کی ویٹنگ لسٹ Waiting List تیار نہ ہو سکی تھی۔ اس لیے نئے مدرسین نہیں لگائے گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ایک مدرس کے ذمہ دو کلاس دینے سے تعلیمی نقصان نہیں ہوا۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ عام طور پر یہ ہوتا رہا ہے۔ ایک جماعت کے دو درجے ہوں اور ان کی اوسط حاضری ۴۰ یا ۴۵ ہو تو انھیں توڑ کر ایک کلاس میں ضم کر دیا جاتا ہے۔ یہ انتظامی سہولت کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن ہفتم جماعت پر یہ اصول نہیں ہے۔

اقلیتی زبان کے کمیشن کے سلسلے میں معلومات بہم پہنچاتے ہوئے جناب ایڈ آفیسر صاحب نے ذکر کیا۔ کہ مقامی بورڈ پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اقلیتی فرقے کی تعلیم کا بندوبست ان کی مادری زبان میں کرے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ بچوں کی تعداد کم سے کم ۴۰ ہو۔ سندھی اور گجراتی زبان والوں نے اس قسم کا مطالبہ کیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ پرائیویٹ طور پر تعلیمی ادارے اگر ابتدائی اسکول چلائیں تو میونسپلٹی سے گرانٹ حاصل کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ ادارے مفت تعلیم دے رہے ہوں ایسے اداروں کو ضلع پریشد ایجوکیشن آفیسر صاحب کی منظوری کے بعد ایک مخصوص قاعدے کے تحت سرکاری گرانٹ بھی مل سکتی ہے۔

اردو اسکولوں میں مراٹھی کا معیار پست ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ وہ لازمی مضمون نہیں ہے۔ وفد کا خیال تھا کہ فائنل کے امتحان

میں مراٹھی لازمی طور پر شامل ہوتی، تو شاید معیار اتنا پست نہ ہوتا۔ ایڈ آفیسر صاحب نے اس امر پر بھی اتفاق کیا، کہ اردو یا مراٹھی دونوں زبان کے بچوں میں پڑھنے اور لکھنے کی متوقع صلاحیت نہیں آرہی ہے۔ اس کے لیے تعلیمی گھنٹوں کی تعداد بڑھا کر ہفتے میں تین گھنٹے فی طلبا تک مقرر کرنا ہے۔ لکھاوٹ سدھارنے کے لیے خوش نویسی کے مقابلے کا پروگرام بھی زیر غور ہے۔

تعلیم بالغان کے متعلق یہ بتایا گیا کہ شہر میں صرف تین کلاسیں جاری ہیں، جن میں دو مراٹھی اور ایک اردو کی کلاسیں ہیں۔

انجمن کے وفد میں پروفیسر عبدالحفیظ صاحب، نذیر احمد انصاری صاحب، شبیر احمد حکیم صاحب اور فیروز حسین صاحب وشاد بھی تھے۔ جنھوں نے آخر میں اس ملاقات کے لیے چیئرمین صاحب اور ایڈ آفیسر صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

(سکریٹری انجمن ترقی اردو مالیگاؤں)

جامعہ اردو کا جلسہ تقسیم اسناد

علی گڑھ، ۸ر اپریل جامعہ اردو علی گڑھ کا جلسہ تقسیم اسناد آج صبح ساڑھے دس بجے دفتر جامعہ کشمیر ہال میں ہوا۔ خطبہ جناب مالک رام صاحب نے پڑھا۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو تمام و کمال 'ہماری زبان' کی اسی اشاعت میں الگ سے شائع کیا جارہا ہے۔

جلسہ کی کارروائی جامعہ کی سالانہ رپورٹ سے ہوئی۔ رپورٹ جامعہ کے رجسٹرار سید احمد علی شاہ جعفری نے پڑھی۔

اس موقع پر جناب راج ناتھ کنزرو صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مالک رام صاحب نے اپنے خطبے میں جن باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مجھے سو فیصدی اتفاق ہے اردو کی اہمیت پر بار بار زور اس لیے دیا جاتا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اردو کے عاشق اس کا حق اسے دلوا کر رہیں گے۔ اردو زبان کے ساتھ جو سلوک ہندوستان میں ہو رہا ہے وہ ہر اعتبار سے قابل مذمت ہے۔ اردو ہندوستان کی زبان ہے ہندوستان میں اس کا مستقبل تابناک ہے۔ اردو کی مخالفت میں اب اگلی سی شدت نہیں رہی۔ مجھے یقین ہے کہ اردو دوست اگر مل کر جدوجہد کرتے رہے تو اردو کو اس کا وہ حق ضرور ملے گا جس کی وہ مستحق ہے۔

آخر میں کنزرو صاحب نے ان تمام طلبہ کو مبارکباد دی جنھوں نے جلسہ میں اسناد حاصل کیں۔ جلسہ بارہ بجے ختم ہوا۔

(نامہ نگار ہماری زبان)

اساتذہ اردو جامعات کی کانفرنس کا مطالبہ

ریسرچ کے مشترک منصوبے بنانے پر زور

دلی ۱۰ رمئی اساتذہ اردو جامعات ہند کی کانفرنس (منعقدہ ۸، ۹، ۱۰ مئی) کے اختتامیہ اجلاس میں پروفیسر خواجہ احمد فاروقی جنرل سکریٹری کل ہند انجمن اساتذہ جامعات ہند نے تمام یونیورسٹیوں سے آئے ہوئے نمائندوں کا شکریہ ادا کیا اور کانفرنس کی تین دن کی کارروائیوں کی مختصر روداد پیش کی۔

پروفیسر فاروقی نے کہا کہ کانفرنس کے مقالات اور مباحثوں میں بار بار اس بات کی ضرورت کا اظہار کیا گیا کہ تحقیقی کام کرنے والوں کو عام طور پر مواد کی فراہمی میں دقت محسوس ہوتی ہے اردو کے قدیم مخطوطات اور دستاویزات ملک کے مختلف کتب خانوں میں بکھرے پڑے ہیں ان کو فنا ہونے سے بچانے کے لیے ضروری ہے ان کی حفاظت کا انتظام کیا جائے اور مائیکروفلم، فوٹو گراف وغیرہ کی مدد سے ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں میں کام کرنے والے اساتذہ و طلبہ کو ان سے فائدہ اٹھانے کے مواقع فراہم کیے جائیں انھوں نے امید ظاہر کی کہ حکومت ہند اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اس طرف خصوصی توجہ دیں گے نیز انھوں نے اس پر زور دیا کہ مشترکہ منصوبے ریسرچ کے لیے بنائے جائیں۔

جلسہ میں ڈاکٹر خورشید الاسلام، ڈاکٹر معین احسن جذبی، محترمہ زینت ساجدہ، ڈاکٹر اعزہ خاتون، جناب سید محمد حسنین صاحب، شجاعت علی سندیلوی نے بھی تقریریں کیں اور سب نے اس بات پر زور دیا کہ اردو کے نصاب تعلیم پر خاص طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے مزید تبادلۂ خیالات کے ذریعہ ضروری نتائج پر پہونچنا چاہیے، جلسہ میں اس بات پر خاص طور پر اظہار اطمینان کیا گیا کہ ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں کے اساتذہ تعاون و اشتراک کی خواہش رکھتے ہیں اور امید ظاہر کی گئی کہ یہ اشتراک جس کی ابتدا پہلی بار دہلی کانفرنس میں ہوئی اور بڑھے گا اور اس سے اردو اور ملک کی ثقافت و تہذیب کو فائدہ پہونچے گا۔

پروفیسر احتشام حسین، پروفیسر عبدالقادر سروری، پروفیسر آل احمد سرور نے بھی جلسہ کو خطاب کیا۔

کانفرنس میں پروفیسر عبدالقادر سروری (سری نگر) کو صدر اور جناب خواجہ احمد فاروقی (دلی) کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔ ایک کمیٹی مقرر کی گئی جو نصاب تعلیم و تحقیق وغیرہ کے سلسلہ میں پیش کی جانے والی تمام تجاویز پر غور کرے گی کمیٹی پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر احتشام حسین اور پروفیسر خواجہ احمد فاروقی پر مشتمل ہوگی۔

(الجمعیۃ)

آصف علی کی شخصیت اور کارناموں پر سمپوزیم

نئی دلی۔ رصدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر رادھا کرشنن نے مقا

ایک سمپوزیم کا افتتاح کرتے ہوئے جناب آصف علی مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔

سمپوزیم کا اہتمام دلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کی طرف سے کیا گیا تھا اور صدر جمہوریہ اس سمپوزیم کا افتتاح کر رہے تھے۔ جناب آصف علی مرحوم نے اردو زبان کی جو خدمات انجام دی ہیں صدر جمہوریہ نے ان کا تذکرہ کیا اور کہا کہ کسی ملک کی زبان کے مطالعہ سے اس کی روح کو تقویت ملتی ہے سائنس ٹیکنالوجی اور تجارت کسی سوسائٹی کی بنیادیں ہوتی ہیں لیکن اس کی روح زبان میں ہوتی ہے جس کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے کہا کہ جناب آصف علی مرحوم نے مختلف حیثیتوں سے ملک کی خدمت کی۔

وائس چانسلر جناب سی ڈی دیش مکھ نے صدر جمہوریہ اور دوسرے معزز مہمانوں کا خیر مقدم کیا نائب وزیر ریلوے جناب شام ناتھ نے آصف علی مرحوم یادگاری وظائف کا اعلان کیا یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل کے نام ایک خط میں مسز آصف علی نے لکھا ہے کہ یہ وظائف مرحوم کی بہترین نشانی ہیں جن کو اردو زبان اور دلی یونیورسٹی سے بڑی دلچسپی تھی اور جنھوں نے اردو ادب کی بڑی خدمات انجام دیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اردو دلی کے مشترکہ کلچر کی نشانی ہے اور ان وظائف سے طلبہ کی اردو سیکھنے میں ہمت افزائی ہوگی۔ اسی طرح ایک نسل کا دوسری نسل سے رابطہ قائم ہوگا۔

صدر رادھاکرشنن نے ایم اے کے لیے اردو کے وظائف کا جو مرحوم آصف علی کی یاد میں دیے جائیں گے خیر مقدم کیا اور کہا کہ اس سے اردو پڑھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اس موقعہ پر نائب صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم اندرا گاندھی کے پیغامات بھی پڑھ کر سنائے گئے۔ وزیر تعلیم جناب چھاگلا نے بھی ایک پیغام روانہ کیا تھا۔ جناب فخر الدین علی احمد وزیر آبپاشی و برق، لالہ شام ناتھ نائب وزیر ریلوے، چیرمین میموریل کمیٹی جناب نور الدین احمد میئر دلی اور جناب سی۔ ڈی۔ دیش مکھ وائس چانسلر دلی یونیورسٹی نے بھی تقریریں کیں اس موقعہ پر مسز ارونا آصف علی بھی موجود تھیں۔ جناب فخر الدین علی احمد نے امید ظاہر کی کہ وظائف کی رقم میں توسیع اور اضافہ ہوگا۔ کرنل بشیر حسین زیدی نے ۹۱۹۸ روپے کی تعلیمی وظیفہ کی رقم کے واسطے پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ جولائی میں وظائف دیے شروع کر دیے جائیں گے۔ کرنل زیدی نے کہا کہ کئی اور یونیورسٹیوں میں بھی ایسے وظائف قائم کیے جائیں گے۔

جناب نور الدین احمد میئر کی تقریر کا عنوان تھا "آصف علی دلی کے شہری"۔ "ہندوستان کی تحریک آزادی میں آصف علی کا حصہ" یہ موضوع تھا ڈاکٹر تارا چند کی تقریر کا۔ جناب جگل کشور کھنہ نے آصف علی اور انڈین نیشنل کانگریس کے موضوع پر تقریر کی۔ خواجہ احمد فاروقی نے آصف علی کی تحریروں کی ادبی اہمیت کو اپنی تقریر کا موضوع بنایا۔"

(الجمعیۃ دہلی)

اردو اخبارات کو اردو میں خبرنامے بھیجے جائیں

رائٹرس ایسوسی ایشن بھوپال کا مطالبہ

بھوپال ۹ رمئی۔ اطلاعات و نشریات کے مرکزی وزیر جناب راج بہادر کی آمد پر بھوپال رائٹرس ایسوسی ایشن نے ایک میمورنڈم دیا ہے جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ اردو اخبارات کو خبرنامے وغیرہ نہ صرف اردو میں دیے جائیں بلکہ ان کے ساتھ اشتہارات کے معاملہ میں ناانصافی نہ کی جائے اس کے ساتھ یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ مدھیہ پردیش سے ایک اردو ماہنامہ کا اجرا کیا جائے اور آل انڈیا ریڈیو بھوپال میں اردو کا علاحدہ شعبہ قائم کیا جائے۔ جناب راج بہادر نے میمورنڈم کے سلسلے میں رائٹرس ایسوسی ایشن کے ایک وفد سے ملاقات بھی کی اور اسے یقین دلایا کہ وہ ان تمام امور پر جو ان کے محکمہ سے متعلق ہیں ہمدردانہ غور کریں گے۔

انھوں نے واضح لفظوں میں کہا کہ وہ اس بات کو قطعاً ناپسند کرتے ہیں کہ اردو اخبارات کو اشتہار دینے میں کسی قسم کی ناانصافی کی جائے آپ نے کہا کہ اس مسئلہ پر ان کا ذہن بالکل صاف ہے کہ ہر زبان کو پھولنے پھلنے کی تمام سہولتیں حاصل ہونا چاہئیں۔ (قومی آواز)

انجمن ترقی اردو کڑپہ کے زیر اہتمام بزم سخن

کڑپہ ۲۹ راپریل جناب عبد الرحمن خاں صاحب حماد ناگوری کی تشریف آوری پر انجمن ترقی اردو کڑپہ کے زیر اہتمام ایک پر تکلف محفل شعر و سخن زیر صدارت جناب ذکی، جناب سی۔ کے۔ رزاق صاحب کے دولت کدے پر منعقد ہوئی۔

حضرت ذکی نے مہمان خصوصی مولانا حماد صاحب کا تعارف کرایا اس کے بعد حسب ذیل شعراء نے مرصع غزلیں پیش کرکے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ برق کڑپوی، سلام کڑپوی، نازش کڑپوی، ذکا کڑپوی، خیال کڑپوی، رشید کڑپوی، نسیم صدیقی صاحب، سلیم کڑپوی اور ڈاکٹر ادیب صاحب۔ جناب حماد صاحب کو بار بار زحمت غزل سرائی دی گئی۔ سامعین و شعراء کڑپہ کے ادبی ذوق کے پیش نظر مولانا حماد نے مرصع نعتیں اور غزلیں پیش کیں۔ مشاعرہ کے اختتام سے پہلے حضرت آسی کے انتقال پر ملال پر تعزیتی قرار داد پاس کی گئی۔

(خواجہ معین الدین سکریٹری)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر نصیر الدین عمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپا یا پبلشر نذیر حسین نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا